OPEN ACCESS
AL-EHSAN
ISSN: 2410-1834
www.alehsan.gcuf.edu.pk
PP: 58-84

برصغیر میں منتخب مکتوباتی ادب کا موضوعاتی مطالعہ

Thematic Study of selective literature of Maktoobat in Sub-continent

Ghulam Abbas

Ph.D Scholor

Department of Islamic Studies & Arabic

Government College University, Faisalabad.

Dr. Shar Ali

Assistant Professor

Department of Islamic Studies & Arabic

Government College University, Faisalabad.

Abstract

After the Prophets of Allah, the preaching of Islam is the first and foremost obligation of Muslim Ummah. In this regard, Saints are performing their duty in a good manner."Maktoobaat" is the best term which is used by Saints for preaching and serving of religion."Maktoobaat" is not only any type of novelty but also a exposition of Quran and Sunnah. Maktoobaati literature is compiled by many scholars .Today, the thematic study of Maktobaati literature is the very need of our society. So this research paper will provide a suitable plate form to elaborate the view point of Saints.

Key words: *Obligation ,maktoobaat, saints, novelty, exposition, society, elaborate*

برصغیر پاک و ہند میں تصوف کی باقاعدہ تصانیف کا وہ رجحان نہیں رہا جو عرب کی تاریخ تصوف میں ملتا ہے البتہ یہاں شیوخ کے ملفوظات اور مکتوبات کو منصہ شہود پر لایا گیا اور حضرات شیوخ نے اپنے مریدین، خلفاء اور یہاں تک کہ امراء و سلاطین کو خطوط لکھ کر تربیت اور رہنمائی فرمائی۔ یہ مکتوبات جہاں تصوف کی بنیادی اصطلاحات کی تشریح کرتے ہیں وہیں عصری تناظر میں پائے جانے والے بگاڑ کی صورت میں اصطلاحات بھی بیان کرتے ہیں گویا یہ مکتوبات علمی و ادبی حوالے سے گراں قدر سرمایہ ہیں ان میں فقہی مسائل کا حل بھی ملتا ہے اور محدثانہ مباحث بھی موجود ہیں۔ دینِ اکبری نے دینِ اسلام کی اصل شکل مسخ کر کے رکھ دی تھی چونکہ اسلام عالمگیر دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اس لئے رب ذوالجلال نے احیائے دینِ حقہ کے لئے اُمت محمدیہ میں سے شیخ احمد سرہندی، شیخ شرف الدین یحیٰ منیری اور شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کا انتخاب کیا ان بزرگان نے مکتوبات کے ذریعے دینِ اسلام کی تبلیغ کی۔ معاشرے میں دین سے دوری اور خرافات کے عرف عام کا شافی و کافی علاج مکتوبات کا خاصہ ہے۔ برصغیر کے مشہور مکتوبات میں سے درج ذیل نموذج کے طور پر ذکر کیے جاتے ہیں:

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی:

شیخ احمد سرہندی ۱۴ شوال ۹۷۱ھ بمطابق ۲۶ مئی 1564ء بروز جمعہ پنجاب کے مقام سرہند میں پیدا ہوئے نسلاً فاروقی تھے۔ خاندان میں کئی پشتوں سے تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری تھا ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد شیخ عبدالماجد (۹۲۷ھ/۱۵۲۱ء-۱۰۰۷ھ-۱۵۹۸ء) سے حاصل کی اور قرآن مجید حفظ کیا، اس کے بعد سیالکوٹ کے مشہور عالم ملا کمال کشمیری (م۱۰۱۷ھ/۱۶۰۸ء) سے منطق، فلسفہ اور علم کلام کی تعلیم حاصل کی۔

ملا کمال کشمیری (م۱۰۱۷ھ/۱۶۰۸ء) سے منطق، فلسفہ اور علم کلام کی تعلیم حاصل کی صحیح بخاری کے شارح شیخ یعقوب صرفی (۱۰۰۳ھ/۱۵۹۱ءم) سے حدیث اور قاضی بہلول بدخشانی سے تفسیر کی امہات کتب پڑھیں۔ سترہ سال کی عمر میں تحصیل علوم کے بعد وطن واپس ہوئے۔

تین سال بعد شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء-۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء) کے پایہ تخت آگرہ کا سفر کیا ۔ وہاں فیضی (۶۴۵ھ/۱۵۳۹ء-۱۰۱۴ھ/۱۵۹۵ء) ابوالفضل (۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء-

۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء) اور بعض دوسرے درباری علماء کے ساتھ نشت وبرخاست جاری رہی۔ کہا جاتا ہے کہ فیضی کی غیر منقوط تفسیر، سواطع الہام، کی تصنیف میں شیخ احمد نے بھی تعاون کیا تھا مگر ابو الفضل کے ساتھ زیادہ دنوں تک نہیں نبھ سکی۔

وہ اللہ کے وجود پر تو یقین رکھتا تھا۔ لیکن شریعت وعبادت کا منکر تھا اور تمام مذاہب کو مبنی بر غلطی قرار دیتا تھا۔ ہر معاملے میں محض عقل پر بھروسہ کرتا تھا۔ یہ خیالات ابولفضل کے علاوہ شاہی دربار سے وابستہ دوسرے کئی علماء کے بھی تھے۔ اس صورتحال کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ احمد لکھتے ہیں:

"لحار آیت فتور اعتقادالناس فی هذاالزمان فی اصل النبوة ثم ثبوتهاو تعققهاشخص معین ثم فی العمل بما شرعة النبوة و تحقیق شیوع ذلک فی الخلق حتی ان بعض متغلبة زماننا عذب کثیر امن العلماء بتشید یدات و تعذیبات لایناسب ذکرها لرسوخهه فی متابعة الشرائع واذعان الرسل"(۱)

مکتوباتِ امام ربانی اور فکر مجدد:

فکر مجدد کا عمدہ شاہکار آپ کے مکتوبات ہیں آپ کی فکر کے بنیادی نکات حسب ذیل ہیں:

نبوتِ محمدیہ ﷺ پر ایمان واعتماد کی تجدید:

اسلامی تاریخ پر عمومی اور ہندوستان کی تاریخ ساز عہد آفریں کام سر انجام دیا جس کو حدیث کی سادہ ومعروف اصطلاح میں تجدید کہا گیا ہے۔

"ان اللہ عزوجل یبعث لهذا الامة علی راس کل مئة سنة من یجدد لها دینها"(۲)

"اللہ تعالی ہر صدی کے سہرے پر ایسے شخص کو اٹھائے گا جو اس امت کے لئے اس کے دین کو تازہ کر دے گا۔"

چنانچہ درج بالا حدیث کا مصداق بنتے ہوئے مجدد الف ثانی نے روح و فکر انسانی کو جلاو تازگی بخشی۔ وقت کے اہم ترین اور سنگین فتنوں کا سد باب کیا نبوت محمد ﷺ اور شریعت اسلامی کی صداقت و ابدیت پر از سر نو اعتقاد اور اعتماد بحال کرنا شروع کیا۔ چنانچہ مجدد صاحب کی اہم اسلامی خدمت یہ ہے کہ آپ نے اس سلسلہ تصوف کی اشاعت کی جو ہندوستانی طریقوں میں شریعت سے قریب ترین ہے۔ ہندوستان میں شروع ہی سے اسلام پر تصوف کا رنگ تھا۔ ایسی حالت میں اسلام کی بڑی خدمت اسی میں تھی کہ ایک ایسے صوفیانہ سلسلے کو ترقی دی جائے جو شرع سے

آزاد نہ ہو بلکہ اس کی مکمل اتباع میں ہو چنانچہ انہوں نے جو طریق تصوف وتزکیہ نفس اختیار کیا اس میں درج ذیل خرافات کی نشان دہی کی گئی۔

I۔ تزکیہ نفس کے لئے چلہ کشی کی ضرورت نہیں۔

II۔ قبور پر غلاف وچادر اندازی اپنی اصل میں ہی بدعت ہے۔

III۔ اسلام میں تزکیہ نفس کے معاملات میں نہ سجدہ تعظیمی ہے نہ سر کا جھکانا ہے نہ بوسہ دینا ہے۔

IV۔ مریدوں کو پیروں کی قدم بوسی کا کوئی حکم نہیں۔

V۔ مرید عورتیں اپنے پیروں سے بے پردگی نہ کریں۔

آپ تعلیم دینی کو تعلیم سلوک پر مقدم رکھتے تھے اور صحابہ کرام کو تمام اولیاء سے بزرگ تر مانتے تھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ صوفیائے متقدمین کے کلام کی خلافِ شرع ترجمانیاں ہو رہی ہیں تو آپ نے اپنے مکتوبات میں تشریح وتاویل کر کے ان کی شریعت محمدیہ کے مطابق اصل روح کو بیان کیا اور یہ اسلام کا عام احیاء تھا اس زمانے میں جو ایک طرف اکبر (مصلح کل) کے طریقے نے اسلام کو اس حمایت اور دین پناہی سے محروم کر دیا تھا جو کہ اسے اسلامی حکومت کی ابتداء سے حاصل تھی۔ یہاں پر دو باتیں سامنے آتی ہیں:

ایک شعائر اسلامیہ کی تردید اور دوسرا ہندومت کا احیاء

چنانچہ آپ نے شعائر اسلامیہ پر زور دیا خود اپنی زندگی میں اسلامی نقطہ نظر کے احترام کی ایک بڑی جرات مندانہ مثال قائم کی۔ آپ نے جہانگیر کے سامنے سجدہ نہ کرنے کی مومنانہ ،شیر دلانہ اور حاکمانہ جرات کی اور قید وبند کی سختیاں برداشت کیں۔

عقل حقائق دینی کے ادراک میں ناکافی ہے:

مجدد صاحب نے اکبر کے دین میں معجزات وکمالات نبوت سے انکار کے خلاف اس موقف کی ترویج کی کہ حقائق دینیہ اور معجزات وکمالات نبوی ﷺ کو عقل دہانے پر پرکھنا اصل میں گمراہی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے فلسفہ یونان کے عقلاء کی بے عقلیوں کا خوب سد باب کیا اور قرآن کریم سے وضاحت کرتے ہوئے اس وقت کے عقلاء کو فکری دعوت دی اور چیلنج کیا۔ ذیل میں آپ کے مکتوبات میں سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا "انسانی عقلیں، کارخانہ عالم کے بنانے والے کے کمالات کو پہچاننے میں عاجز وناکام ثابت ہوتی ہیں۔ قدیم

فلاسفر جو اپنے آپ کو سب سے بڑے عقل مند اور حکیم سمجھتے تھے وہ تو عالم کے بنانے والے کے بھی منکر تھے اور اپنی عقل کی کوتاہی سے اتیار کو زمانے کے طرف منسوب کرتے تھے۔ زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کے بارے میں نمرود کا حضرت ابرہیمؑ سے مباحثہ مشہور ہے کہ اس نے کہا:

"وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَآَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰي وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ "(3)

"اور فرعون نے کہا کہ اے اہلِ دربار میں تمہارا اپنے سوا کسی کو خدا نہیں جانتا توہامان میرے لئے گارے کو آگ لگوا (کر اینٹیں پکوا) دو پھر ایک (اُونچا) محل بنادو تا کہ میں موسیٰ کے خدا کی طرف چڑھ جاؤں اور میں تو اُسے جھوٹا سمجھتا ہوں"

نیز فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے خطاب کر کے کہا:

"قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰـهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ "(4)

"اے موسیٰ: اگر تم نے میرے سوا کسی کو اپنا معبود و حاکم ٹھہرایا تو میں تم کو بھی قیدی بنادوں گا۔"

چنانچہ عقل اس دولت عظمیٰ کے ثابت کرنے سے قاصر اور ان حضرات انبیاء کی ہدایت کے بغیر اس دولت سرا کا راستہ پانے سے عاجز ہے۔(۵)

نبوت کا طور عقل و فکر کے طور سے ماوراء ہے:

جن لوگوں نے عقل و فکر کو محض دین سمجھنے کا ایک پیمانہ تصور کر لیا تھا ان کو مخاطب کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"اگر عقل کافی ہوتی تو انبیاء کس لئے مبعوث ہوتے۔"

پھر وہ درج ذیل آیت پر استدلال کرتے ہیں کہ:

عقل اگرچہ حجت ہے لیکن تابع نہیں ہے اور جب حجت ہونے میں کامل بھی نہیں ہے۔ اور حجت بالغ اصل میں انبیاء کی بعث ہے۔ کیونکہ اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا:

"مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْـتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا"(6)

"اور ہم اس وقت تک عذاب کرنے والے نہیں ہیں جب تک کسی پیغمبر کو نہ بھیجیں۔"

چنانچہ عقلاء کے یونان کی بے عقلیوں کا سد باب کرتے ہوئے۔ مجد د الف ثانی نے اہانت نبوی ﷺ اور معجزات و کمالاتِ نبویہ کے متعلق اصل نقطہ نظر واضح کیا۔(۷)

شریعت کی حمایت اور اصلاح عقائد:

تعلق مع اللہ کی تقویت اور غفلت و مادیت سے حفاظت اور امراض نفسانی کے علاج کا وہ طریقہ جس کا نام تصوف پڑ گیا تھا وہ اصل میں قرآنی اصطلاح کے مطابق تزکیہ اور حدیث کی اصطلاح کے مطابق احسان کا بالکل الٹ تھا۔ مجد د صاحب نے سنت و بدعت، شریعت و فلسفہ اور تصوف اور جوگ کے اس اختلاط کے زمانہ میں مجد د الف نے تجدیدی کام شروع کیا۔ چنانچہ اپنے مخدوم زادہ خواجہ محمد عبد اللہ کو ایک مکتوب میں لکھا:

"دریں وقت عالم بالواسطہ کثرتِ ظہور بدعت در رنگ دریائے ظلمات بنظری در آید و نور سنت با غربت و ندرت در آں دریائے ظلمانی در رنگ کرمھکائے شب افزور محسوس می گردد۔"(۸)

اس وقت عالم میں بدعات کا اس کثرت سے ظہور ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ظلمات کا دریا امنڈ رہا ہے اور سنت کا نور اس معراج دریا میں اس کے مقابلہ میں اس طرح ٹمٹمار ہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں کہیں کہیں جگنو اپنی چمک دکھا رہے ہیں۔ حضرت مجد د نے اس نازک دور میں کہ ہندوستان میں سلطنت کے ہاتھوں اسلام کی بیخ کنی اور خانقاہوں میں سنت کی نا قدری کی جارہی تھی اور صاف صاف کہا جارہا تھا کہ طریقت و شریعت دو الگ الگ کوچے ہیں۔

راہ و رسم، یہاں تک کہ ان کے قوانین بھی الگ الگ ہیں۔ آپ نے پوری بلند آہنگی سے آواز لگائی کہ طریقت تابع و خام شریعت ہے۔ کمالات شریعت احوال و مشاہدات پر مقدم ہے ۔ آپ نے علی الاعلان کیا کہ حلت و حرمت میں صوفیاء کا عمل سند نہ ہے۔ کتاب و سنت اور کتب فقہ کی دلیل چاہئے۔ چنانچہ وہ درج ذیل آیات پر استدلال قائم کرتے ہیں:

"كَبُرَ عَلَي الْمُشْرِكِيْنَ مَاتَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ"(9)

”مشرکین کو وہ بات بڑی ناگوار گزرتی ہے جس کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں۔ اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص (خدا کی طرف) رجوع کرے، اس کو اپنے تک رسائی دے دیتا ہے۔“

نوافل پر فرائض کی تقدیم:

اس وقت بدعات میں سے ایک بدعت یہ بھی تھی کہ نفل عبادت کو فرائض پر تقدیم دی جاتی تھی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

"جن اعمال سے تقرب خداوندی حاصل کیا جاتا ہے وہ یا تو فرائض ہیں یا نوافل، نوافل کی فرائض کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں اپنے وقت پر کسی فرض کی ادائیگی ایک ہزار سال کے نوافل سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ نیت خالص سے ہی ادا کیے جائیں۔"(۱۰)

کمالات شریعت کی اہمیت:

اس دور میں اکبر کے دین الٰہی کے اثرات کہ وجہ سے کمالاتِ شریعت منہدم ہوتے جارہے تھے آپ نے ان کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:

"دنیا کے اکثر لوگ خواب وخیال میں مست ہیں نہ تو انہیں کمالات شریعت کی خبر ہے اور نہ ہی طریقت وحقیقت کی اصل کا علم ہے۔ صوفیاء کی سطحی باتوں پر لوگ فریب کھائے ہوئے ہیں اور ان کے احوال ومقامات پر فریفتہ ہیں۔"(۱۱)

حلت وحرمت اور مجدد صاحب کا موقف:

مجدد صاحب نے ایوان بادشاہت سے متاثرہ صوفیاء کے عمل کو حلت وحرمت کی سند نہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"صوفیاء کا عمل حلت وحرمت میں سند نہیں! کیا اتنا کافی نہیں کہ ہم ان کو معذور رکھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں اور اس معاملے میں امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد کا قول زیادہ معتبر ہے بہ نسبت ابوالحسن نوری کے عمل سے۔"(۱۲)

اور اپنے موقف کا استدلال اس آیت پر کیا ہے:

"الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا"(13)

"انہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔"

سالک و عارف سے تکلیف شرعی کا سقوط:

اکبر نے کہا دین الٰہی میں جو شخص مجاہدات اور چلہ کشی بجالاتا ہے اس پر فرائض و احکام شریعت ساقط ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ نماز، روزہ کا سقوط بھی اس پر لازم آجاتا ہے۔ آپ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

"مستصوفین خام اور ملحدین بے سر انجام اس فکر میں ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت کی طوقِ غلامی سے آزاد اور احکام شرعیہ کو عوام کے ساتھ مخصوص بنادیں جب کہ یہ عمل سراسر گمراہی ہے۔"(۱۴)

اور اپنے موقف کا استدلال اس آیت سے کیا:

"وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ "(15)

"اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔"

رد شرک اور رسوم جاہلیت:

مجدد صاحب نے سجدہ تعظیمی پر سخت نکیر کی جو بعض مشائخ کے ہاں رائج ہونے لگا تھا اور بعض اہل تعلق کو اس بارے میں سستی پر سخت تنبیہ بھی فرمائی۔ نیز مشرکانہ اعمال اور سوم جن میں مراسم شرک کی تعظیم، غیر اللہ سے استمداد، حوائج کے مشرکانہ عقیدے، اہل کفر کے تہواروں کی تعظیم اور ان کے رسوم و عادات کی تقلید، بزرگوں کے لئے حیوانات کو ذبح کرنا پیروں اور بیبیوں کی نیت سے روزہ رکھنے کی تردید کی۔ آپ نے یہ مکتوب بھی ایک نیک خاتون کے نام لکھا۔(۱۶)

مکتوبات شیخ شرف الدین یحیٰ منیری:

شیخ شرف الحق والدین احمد یحیٰ منیری قدس اللہ سرہُ العزیز کے جداعلی حضرت امام محمد تاج فقیہ رحمتہ اللہ علیہ قدس خلیل سے جو بیت المقدس کا ایک محلہ ہے ۵۷۶ھ میں قبضہ منیر ضلع پٹنہ میں تشریف لائے۔ یہاں کے راجہ سے جنگ کی اور منیر فتح کر لیا۔

حضرت امام کے تین صاحبزادے تھے شیخ اسرائیل، شیخ اسمعیل اور شیخ عبدالعزیز ۔ حضرت امام نے اپنے صاحبزادوں کو اپنا قائم مقام بنا کر واپسی کا ارادہ کیا اور بیت المقدس چلے گئے۔

حضرت اسرائیل کی سب سے بڑی اولاد حضرت مخدوم یحییٰؒ تھے۔ جن کی شادی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی پیر جنگجوتؒ کی بڑی صاحبزادی حضرت بی بی رضیہ سے ہوئی آپ کے چار صاحبزادے ہوئے شیخ جلیل، شیخ شرف الحق والدین، شیخ خلیل الدین اور شیخ حبیب الدین۔

پیدائش:

حضرت مخدوم جہاں کی والدہ ماجدہ بی بی رضیہ اپنے وقت کی ولیہ کاملہ تھیں مشہور ہے کہ آپ نے بلا وضو حضرت مخدوم جہاں کو کبھی دودھ نہیں پلایا۔ آپ کی پیدائش ۲۶ اور بعض روایات میں ۲۹ شعبان المعظم ۶۶۱ھ کو سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں بمقام منیر شریف ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ پیدائش کا مادہ تاریخ "شرف آگین" ہے۔

تعلیم:

حضرت مخدوم جہاںؒ کی ابتدائی تعلیم اس زمانے کے مروجہ نصاب کے عین مطابق گھر ہی پر ہوئی۔ آپ کو حضرت علامہ اشرف الدین ابو توامہ جیسا استادِ کامل گیا۔ جن سے تمام دینی علوم، کلام پاک، تفسیر، حدیث، فقہ اور علمِ کلام کے علاوہ علوم عقلی مثلاً منطق و فلسفہ اور ریاضی وغیرہ کی بھی تکمیل کی۔

حضرت علامہ اشرف الدین ابو توامہ غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں بخارا سے دہلی تشریف لائے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے علمی تبحر کا شہرہ دور دور تک ہوا۔ عقیدت مندوں کا ہجوم ہونے لگا۔ ان کی ہر دل عزیزی سے سلطان کو خطرہ پیدا ہوا چنانچہ اس نے سنار گاؤں (نزد ڈھاکہ) چلے جانے کا حکم صادر کر دیا۔ علامہ اثنائے سفر میں منیر شریف میں مقیم ہوئے حضرت مخدوم یحییٰؒ نے آپ کے تواضع میں کوئی کمی نہیں کی اور جی کھول کر پذیرائی کی۔ اس قیام کے دوران میں استاد اور شاگرد دونوں نے ایک دوسرے کو قریب سے دیکھا اور ایک دوسرے کے گرویدہ ہو گئے۔ والدین کی اجازت کے بعد مخدوم منا استاد کے ساتھ سنار گاؤں روانہ ہو گئے۔ علامہ نے ۶۶۸ھ میں سنار گاؤں پہنچ کر ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی اور آخری دم تک درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا حضرت مخدوم جہاںؒ نے علوم دینی و دنیوی، ظاہری اور باطنی کی تحصیل میں اپنے استاد کے ساتھ ساتھ بائیس سال گزارے۔ حضرت علامہ ابو توامہ کا وصال ۷۰۰ھ میں ہوا۔

مکتوبات صدی:

مخدوم جہاں کے ایک مرید خاص قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کے نام ہیں جو اپنی غیر معمولی مشغولیت اور فرائض منصبی کی انجام دہی کی وجہ سے حضرت مخدوم جہاں کی خدمت میں حاضری سے معذور تھے۔ ان کے اصرار پر ان کی تعلیم کے لئے یہ مکتوبات لکھے گئے خود مخدوم جہاں قاضی صاحب کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے وصال کے وقت جہاں اوروں پر نوازشیں کیں وہاں ان کو بھی بلا کر فرمایا" قاضی شمس الدین کو کیا کہوں، قاضی شمس الدین تو میرے فرزند ہیں متعدد بار میں نے کبھی ان کو فرزند اور کبھی برادر لکھا ہے۔ انھیں کی وجہ سے میرا علم درویشی ظاہر ہوا انھیں کے لئے مجھ کو کہنا اور لکھنا پڑا۔ ورنہ کون لکھتا۔(۱۷)

مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں اور مکتوب الیہ کی سمجھ کے مطابق دلائل وامثال سے بڑے محققانہ انداز میں سمجھائے گئے ہیں۔ یہ مکتوبات ۷۴۷ھ میں سپرد قلم ہوئے۔ مخدوم جہاں کے مرید خاص اور کاتب حضرت مولانا زین بدر عربی نے ان مکتوبات کی نقل اپنے پاس رکھ لی تھی۔

مکتوب دوصدی:

اس کے جامع اور مرتب بھی حضرت زین بدر عربیؒ ہیں یہ مکتوبات مختلف مریدوں کے نام لکھے گئے ہیں کسی ایک
شخص کے نام سے نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض مباحث میں تو اردو تکرار پیدا ہو گیا ہے۔

صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب بزم صوفیہ نے مکتوبات کے ایک اور مجموعہ کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں "انڈیا آفس میں حضرت مخدوم کے مکتوبات کا ایک اور مجموعہ ہے۔ جس میں ۱۲۵ مکتوبات ہیں۔ اس میں خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصوم کے نام خطوط ہیں۔ ان دونوں کو حضرت مخدوم الملک فرزند کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں۔ جس سے انڈیا آفس کیٹلاگ کے مرتب کو دھوکہ ہوا ہے کہ وہ دونوں حضرات مخدوم الملک کے صاحبزادے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ وہ دونوں مرید ہیں۔

مکتوباتِ بست وہشت:

یہ مکتوبات حضرت مخدومِ جہاں قدس اللہ سرہُ العزیز نے اپنے سب سے زیادہ چہیتے اور عزیز مرید حضرت سید نامظفر بلخی قدس اللہ سرہ العزیز کو لکھتے ہیں جن کے متعلق فرمایاہے:

تن مظفر جان شرف الدین ،جان مظفر تن شرف الدین،شرف الدین مظفر شرف الدین

تحقیق سے پتہ چلتاہے ہے کہ مخدومِ جہاں نے حضرت مولاناکے نام دوسو سے زیادہ خطوط لکھے تھے مگر حضرت مولاناان کو عوام کی نگاہ سے پوشیدہ رکھناچاہتے تھے۔اس لیے انھوں نے وفات کے وقت یہ وصیت فرمائی کہ یہ تمام خطوط ان کے ساتھ قبر میں رکھ دیے جائیں چنانچہ ایساہی کیاگیا۔ اتفاق سے یہ اٹھائیس خطوط الگ رکھے ہوئے تھے جو دفن ہونے سے راہ گئے۔اور اب کتابی شکل اختیار کی لی ہے۔مکتوبات کے متعلق اہل قلم حضرات اور مشاہیر وقت کے اقوال نقل کر دیے جاتے ہیں۔

۱۔ معین دردائی–حاحب تاریخ سلسلہء فردوسیہ:

> "مخدوم الملک کی تمام تصانیف اور ملفوظات یوں تواہم مشعل ہدایت ہیں لیکن ان کے مکتوبات کی اہمیت ، مقبولیت اور افادیت بالخصوص بہت زیادہ ہے"(۱۸)

۲۔سید صباح الدین عبد الرحمن بزم صوفیہ:

> "مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل پر مختصر مگر جامع محققانہ مباحث ہیں۔"(۱۹)

۳۔ خلیق احمد نظامی۔ استاد شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ:

طریقہ فردوسیہ کو ہندوستان میں پروان چڑھانے کا کام شیخ شرف الدین احمد یحیی منیری رحمتہ اللہ علیہ نے انجام دیاان کے مکتوبات تصوف کابڑابیش قیمت ذخیرہ ہے۔

۴۔ مولانامناظر احسن گیلانی:

دینی وعلمی برتریاں جو حضرت مخدوم کو بار گاہ ربانی سے ارزانی فرمائی گئی ہیں۔ان سے تو دنیاواقف ہے لیکن کم از کم میر اخیال تو یہی ہے کہ نثر نگاری میں سعدی شیر ازی کے بعد کسی کا نام

ہند ہی نہیں بلکہ ایران میں بھی اگر لیا جا سکتا ہے تو شاید وہ بہار کے مخدوم الملک ہی ہو سکتے ہیں ۔مکتوبات کی شکل میں جواز قائم فرمایا ہے فارسی زبان میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

۵۔سید ضمیر الدین احمد صاحب سیرۃ الشرف:

"اگر ان مکتوبات کے مضمون کا خیال کروں اور ان کی غرض کو سوچو تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ سارے مکتوبات کا مضمون رشتہ خداوندی اور بندگی ہے ۔"(۲۰)

۶۔مولانا عبد الحق قدس اللہ سرہٗ العزیز:

حضرت مخدوم کی تصنیفات بہت عالی شان ہیں آپ کی تمام تصنیفات میں مکتوبات کی شہرت بہت زیادہ ہے۔

۷۔حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی قدس اللہ سرہٗ العزیز:

حضرت شیخ شرف الدین کے مکتوبات نے میرے سو سال کے کفر کو میری ہتھیلی پر رکھ کر دکھلا دیا۔

۸۔حضرت جلال الدین بخاری قدس اللہ سرہٗ العزیز:

حضرت شیخ شرف الدین کے مکتوبات ایسے ہیں کہ بعض مقامات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئے۔

۹۔حضرت شاہ عبد اللہ شطاری قدس اللہ سرہٗ العزیز:

ہم پر ایک حالت میں انکشاف ہوا یعنی معراج روحانی میں عرش عظیم تک رسائی ہوئی تو ساق عرش بریں پر میں نے اکابرین طریقت کے القاب لکھے دیکھے ۔حضرت بایزید بسطامی کا لقب سلطان العارفین مسطور تھا اور حضرت شیخ شرف الدین کا لقب سلطان المحققین درجِ لوح نظر آیا۔

۱۰۔حضرت عبد اللہ شطاریؒ:

حضرت عبد اللہ شطاریؒ نے فرمایا:

"کیوں نہ ہو حضرت مخدوم کی بزرگی پر اصحابِ شریعت و طریقت کا اتفاق ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"بندہ معتقدِ کسے نیست۔ ہمہ بزرگان یکے اند۔ اما بندہ متقد سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الحق والدین منیری وبندگی حضرت خواجہ فرید الدین عطار ہستم۔ وجاے کہ این ہر دو بزرگان رسیدہ اند کسے کمتر رسیدہ است وآنچہ کہ این ہر دو بزرگان حقائق ودقائق راہ دین بیان کردہ اند کسے بیان نہ کردہ۔"

۱۱۔ حضرت احمد لنگر دریاؒ:

سبحان اللہ زہے حوصلہ مخدوم جہاں قدس اللہ سرہُ العزیز کہ حالے ومقامے کہ حضرتِ ایشان رابود معلوم است

اما ہیچ وقتے سرسوزنے بیرون نہ داوندزہے قوت وزے مقام تمکین کہ حضرتِ ایشان راحاصل شدہ بود وآنکہ یکبار در گرمی وقت سخن فرمودہ اند ربرائے آن چہ نوع عذر کردہ اند۔

ابوالفضل آپ کی شان میں لکھتے ہیں:

"آن تشنۂ نشان یافتہ آب کہ جستنش تشنہ گرداند ونوشیدنش تشنہ تر شرف الدین منیری۔"

۱۲۔ حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری نے اورادِ غوثیہ کے شروع میں سالک کے لئے چند وصیتیں لکھی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر مرشد حاضر نہ باشد مکتوبات شیخ شرف الدین احمد یحیی منیری مطالعہ کند تا فریب نفس ووسواس خناس دریابد۔

مکتوبات کی علمی وادبی حیثیت:

مخدومِ جہاں کے تبحر علمی کا اعتراف علماء کرام وصوفیاے عظام دونوں کو ہے دونوں کو اس امر کا اعتراف بھی ہے کہ آپ کا قلم سرِ مو بھی حدود شریعت سے باہر قدم نہیں رکھتا، مسائل کے سمجھانے کا جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے وہ ایسا ہے کہ نہ صرف سمجھ میں آجاتا ہے بلکہ دل میں اتر جاتا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ آپ کے ہاں تصنع نہیں ہے جو بات کہتے ہیں اس میں اپنے مخاطب کے فہم وادراک کا پورا خیال رکھتے ہیں اس لئے کہ "دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر" جس کا جو رتبہ ہوتا ہے اسی کے مرتبے اور مقام کے مطابق گفتگو کرتے ہیں جہاں کہیں کسی مبتدی سے واسطہ پڑا ہے وہاں نہ تو عبارت آرائی ہے اور نہ بلند پروازی سیدھی بات سیدھے سادے انداز میں بیان کرتے ہیں اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا اور جہاں کہیں سے کام پڑا ہے وہاں وہ بلند پروازی دقتِ نظری اور محققانہ انداز بیان پایا جاتا ہے۔ کہ اچھے اچھوں کے چھکے چھوٹ جاتے

ہیں۔ مولانا شمس الدین کے نام جو خطوط ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ کا علم محدود ہے۔ بر خلاف اس کے جو خطوط حضرت مولانا مظفر بلخی کے نام ہے ان میں اکثر مقامات ایسے ہیں جو عام فہم نہیں ہے۔ مخدومِ جہاں سے پہلے بھی ملفوظات اور مکتوبات کو دستور موجود تھا مگر بہت ہی محدود تھا۔ ملفوظات اکثر روایتوں اور حکایتوں پر موقوف تھے یعنی ان میں علمی مضامین کا فقدان تھا اس لئے اہل علم حضرات اس کے قبول کرنے سے ہچکچاتے تھے وہاں جن مسائل پر بھی بحث ہوتی ان میں منقولی دلائل سے کام لیا جاتا۔ منقولی دلائل کا گذر نہیں۔ مخدوم جہاں میں ملفوظات میں مسائل کے بیان کا وہ انداز اختیار کیا جس نے ملفوظات کی کایاپلٹ کر رکھ دی۔ محققانہ اور فلسفیانہ انداز میں مسائل کو اس طرح سمجھایا ہے کہ ہر مکتب خیال کے لوگوں کو پوری پوری تشفی ہو گئی۔

مخدوم جہاں کے عہد میں مکتوبات کو اہم موضوعات کے اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا گیا تھا۔ وہ صرف خیریت اور حالات و حاجات کے بیان تک محدود تھے۔ مخدوم جہاں نے اسے مستقل ایک فن بنا دیا۔ جو مضامین مستقل طور پر ایک ایک کتاب میں سموئے جاسکتے تھے۔ انہیں ان چھوٹے چھوٹے خطوط میں لکھ کر عام کر دیا۔ ضخیم کتابوں میں خواہ مضمون کتنا ہی دلچسپ کیوں نہ ہو پڑھنے میں طبعیت پر گرانی ضرور ہوتی ہے مگر ان مضامین کو مختصر کر کے اس انداز میں لکھا جائے کہ مقصد فوت نہ ہو تو وہ بہت ہی نافع ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کی مخدوم جہاں کے ملفوظات اور مکتوبات ان کی مستقل تصنیفات سے زیادہ شائع ہوئے۔ چونکہ ملفوظات میں روز مرہ کے تذکرے ہیں اور مکتوبات قدرتی طور پر مختصر ہیں۔ اس لئے عدل میں سہولت بیان اور دوسرے میں اختصار ہے بر خلاف اس کے مستقل تصانیف میں ان باتون کا خیال رکھنا ناممکن ہے ان ملفوظات و مکتوبات میں مخدوم جہاں کی ذہانت و ذکاوت نمایاں ہے آپ کے خیالات کا اچھوتا پن اآپ کی دقت نظری اور پھر آپ کے انداز بیان میں ان کو گنگا جمنی بنا دیا ہے ان کو شروع سے آخر تک تھوڑی دیر میں پڑھا جا سکتا ہے۔ ان کے پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کوئی بات معلوم ہوئی جسے پہلے نہیں جانتے تھے بار بار ان مکتوبات کو پڑھا جائے تب بھی ہر بار یہی محسوس ہو گا کہ آج ایک نئی چیز معلوم ہوئی ہے۔

صاحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں:

"مکتوبات و ملفوظات کو اُٹھا کر دیکھو کہ مخدوم کی یہ خصوصیتیں ان کتابوں میں کیسی درخشاں نظر آتی ہیں۔ اور اس وقت تک نہ صرف بہار میں بلکہ تمام

ہندوستان میں اولیت کا تمغہ پائے ہوئے ہیں مخدوم کی ایک ایک بحث بڑی بڑی ضخیم کتابوں کا کام دیتی ہے اس آزادی، شوخی اور قوت کے ساتھ بیان کا حق ادا کیا ہے یہ خاص طور سے کہا جا سکتا ہے کہ اس طرزِ بیان کا مخدوم بلا اشتراک اجارہ لئے ہوئے تھے۔"(۲۱)

مکتوبات مخدوم جہاں کو اعلیٰ انشا پردازی کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ اعلیٰ انشا پردازی کی تمام خصوصیات ان میں بدرجہ اتم موجود ہے زبان کی بے تکلفی، محاورات کا برمحل استعمال روز مرہ، تمثیلات، اشارات اور استعارات وغیرہ سے بھی نہایت حسن کے ساتھ کام لیا گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے فصاحت و بلاغت کے بہترین نمونہ ہیں۔ گویا یہ ادبی جواہر ریزے ہیں۔ جو صفحۂ قرطاس پر بڑے سلیقہ سے سجائے گئے ہیں مزید براں جا بجا فارسی اشعار کے برمحل استعمال سے اس کو لالہ زار بنا دیا گیا ہے۔

یہ خطوط قلم سنبھال کر نہیں لکھے گئے۔ بلا تکلف خلوص کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ جس کا صرف ایک مقصد تھا کہ بندہ کا رشتہ اللہ سے جوڑ دیا جائے۔ مکتوبات کی زبان نہایت صاف ستھری اور نکھری ہوئی ہے۔ تصنع اور تکلف کا دور دور تک پتا نہیں۔ خالق و مخلوق کا باہمی رشتہ اور اخلاقِ انسانی کے متعلق مضامین ان مکتوبات میں افراط سے پائے جاتے ہیں۔ مسئلہ توحید کو جس خوبی کے ساتھ سمجھایا ہے وہ انہی کا حق ہے مخدومؒ کی تعلیم، ان کا اللہ تعالی سے تعلق، ان کا مخصوص انداز بیان یہ وہ عوامل تھے جو مکتوبات کو تکمیل کے درجہ تک پہنچا سکے۔ یہ مکتوبات مخدوم جہاں کی تعلیمات کا خلاصہ ہیں اس لئے مخدوم کی تعلیمات کا ذکر کرنا تحصیل حاصل ہے غرض مکتوبات کی علمی و ادبی حیثیت مکمل ہے۔ مکتوبات کے مضامین پر اول غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو گا کہ سارے مکتوبات کا ایک ہی موضوع ہے۔ اور وہ "رشتہ خداوندی اور بندگی" ہے۔ یعنی اللہ اور بندے کا رشتہ کیا ہے، بندگی کیا ہے؟ اس کے فرائض و ذمہ داریاں کیا ہیں، بندہ کا اپنے پروردگار کے ساتھ کیا اور کیسا برتاؤ ہونا چاہئے؟ یہی باتیں ہیں جو مختلف انداز میں مختلف پہلوں سے دکھائی گئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ضمنی طور پر اور بھی بحثیں آتی گئی ہیں۔ جن سے آپ کے علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے۔ مگر مکتوبات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی روح ہے جو سارے مکتوبات میں کار فرما ہے۔ قرآن، تفسیر، حدیث، سیر، تاریخ، منطق اور فلسفہ وغیر جس سے بحث کی گئی ہے سب کا سب ایک ہی نکتہ کی توضیح و تشریح ہے۔ دنیا کی خرابی کا ذکر ہو یا عمدگی کا، حق العباد کا تذکرہ ہو یا النفس کا،

معاشرت وتمدن کا بیان ہو یا علم وجہل کا سب کی غایت وغرض ایک ہی ہے اور سب کی بازگشت اسی اصل کی طرف ہے۔ دنیائے ادب میں شعروشاعری کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قدر سوزوگداز اس سے پیدا ہوتا ہے اور کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ اسرار ورموز کے اظہار کے لئے کوئی ذریعہ نہیں۔ اس لئے بھی اس فن کی اہمیت زیادہ ہے مخدومِ جہاں نے تعلیم شریعت وطریقت کا چونکہ بیڑا اٹھایا تھا اس لئے انہوں نے اس سے بہت کام لیا ہے۔

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے مکتوبات:

برصغیر پاک وہند میں سلسلہ چشتیہ کی باقاعدہ ترویج خواجہ معین الدین اجمیری کے دور میں ہوئی۔ آپ نے سلسلہ کے اصول وضع کیے اور ان پر نہ صرف خود کاربند رہے بلکہ آپکے خلفاء اور متبعین بھی انہیں اصولوں کے ساتھ سلسلہ کی ترویج کرتے رہے۔ مگر خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے بعد یہ تسلسل قائم نہ رہ سکا اسکی بہت سی وجوہات میں سے اہم ترین وجہ برصغیر کے سیاسی اور معاشرتی حالات ہیں۔ چراغ دہلویؒ کے بعد سلسلہ چشتیہ کے زوال کے علاوہ ازیں چند اسباب ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ خواجہ چراغ دہلوی تک سلسلہ چشتیہ کا مرکزی نظام قائم رہا۔ خانقاہیں دور دراز علاقوں میں قائم ہویں مگر ان کا رابطہ دہلی اجودھن اور اجمیر سے قائم تھا اور تمام خلفاء سلسلہ کے بنیادی اصولوں پر کاربند تھے۔ مگر بعد ازاں برصغیر کے معاشرتی احوال کے بدلنے اور سیاسی زبوں حالی کے پیش نظر سلسلہ چشتیہ کی یہ مرکزیت ختم ہو گئی اور مختلف خانقاہوں میں داخلی نظام یکسر تبدیل ہو گیا۔

۲۔ سلسلہ کے بنیادی اصولوں میں ایک اصول یہ تھا کہ حکمران وقت سے مکمل طور کنارہ کشی اختیار کرکے صرف تبلیغ دین کا کام کیا جائے۔ چنانچہ اس ضمن میں صاحب سیر نے بابا فرید الدین کا قول نقل کیا ہے کہ:

"لواردتمه بلوغ درجة الكبار نعليكم بعد م الالتفات الى ابنا ء الملوک"(22)

"اگر تم روحانی طور پر بلند مرتبہ ہونا چاہو تو سلاطین کی اولاد کیطرف توجہ دینا۔"

لیکن بعد ازاں خلفاء چشت اس اصول پر بھی کاربند نہ رہے اور سلسلہ کے نوعمر افراد نے حکومتِ وقت کے ساتھ تعلقات قائم کیے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلسلہ چشتیہ کی بنیادیں قائم نہ رہ سکیں لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ سلسلہ چشتیہ کی نشاۃ ثانیہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس ضمن میں شاہ کلیم اللہ دہلوی کی خدمات نمایاں ہیں کہ سترھویں اٹھارویں صدی میں مسلمانوں کی زبوں حالی اور برصغیر کے معاشرتی و معاشی حالات کے پیش نظر، از سر نو سلسلہ چشتیہ کی ترویج کا کام کیا جائے اور پھر وہی خانقاہی نظام قائم کر کے معاشرتی تشکیلِ نو کیطرف توجہ دلائی جائے۔

چنانچہ شاہ صاحب کو وہ دور میسر آیا کہ جس میں مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہو چکی تھی معاشرتی انحطاط اپنے عروج پر تھا اور اس تنزل و انحطاط کے دور میں احیاء ملت اسلامیہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے ایک منظم جماعت کی ضرورت تھی۔ مزید بر آں شاہ صاحب چونکہ دہلی میں مقیم تھے تو یہ مرکز ہونے کے اعتبار سے معاشرتی طور پر پورے برصغیر میں خاص اہمیت کا حامل تھا۔ شاہ صاحب نے اس ضرورت کے پیش نظر اپنے متبعین کو بھی یہی تلقین کی کہ اعلائے کلمۃ اللہ کی طرف پوری توجہ کیساتھ مصروف ہو جاؤ۔ چنانچہ خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی کیطرف لکھے گئے ایک مکتوب میں شاہ صاحب رقمطراز ہیں:

"ایں امر است ھر جا باشید در اعلائے کلمۃ الحق باشید و جان و مال خود صرف ایں کار کنید"(۲۳)

"یعنی اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف ہو اور اپنے جان و مال کو اسی میں صرف کر دو۔"

دوسرے مقام پر سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے دنیا سے اعراض کی تلقین یوں فرماتے ہیں کہ:

"معلوم شد کہ تمام اوقات شب و روز ہم دارید ضبط اوقات ندارد آنکہ خسر الدنیاوالاخرہ است اعراض من الدنیاوالتوجہ الی اللہ تعالی وارد۔"(۲۴)

"یعنی شب و روز کے اوقات کو اس طرح نہ صرف کرو کہ دنیا اور آخرت میں خسارے میں آجاؤ۔ بلکہ دنیا سے اعتراض کر کے اللہ تعالی کی طرف توجہ کو مرکوز کرو۔"

مزید بر آں تاکید کے ضمن میں مکتوب نمبر ۳۹ میں رقمطراز ہیں کہ:

"ماو شماکا فراہم آوردن ٹنکہ ونقد و جنس نیست ، فراہم آور دن ولیا مطلوب است"(۲۵)

"یعنی ہمارا اور تمہارا کام ٹنکہ و نقد و جنس جمع کرنا نہیں بلکہ دلوں کو اکٹھا کرنا مقصود ہے۔"

شاہ صاحب کی ولادت:

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی دہلوی کی ولادت ۲۴ جمادالثانی ۱۰۶۰ھ میں ہوئی ایک جگہ مناقب المحبوبین میں آپکا سن ولادت ۱۰۸۰ھ درج ہے جو کہ درست نہیں۔ کیونکہ شاہ صاحب نے خود مکتوب نمبر ۱۲۵ میں درج کیا ہے کہ:

"از حال خود گویم بست و چہارم جمادی الثانی مولد فقیر است و تاریخ تولد فقیر غنی است"(۲۶)

"یعنی فقیر کا تولد ۲۴ جمادی الثانی کو ہوا اور تاریخ تولد سے فقیر نے "غنی" اخذ کیا ہے۔"

Lawrance نے بھی اپنی کتاب Sufi Martyrs of Love میں درج کیا ہے کہ:

"Shah Kaleemullah was a leading Chishti Sufi and is lousidered to be instrumental in the revival of Chishti Sufi path. He was born on24 Jamadi-ul-sani 1060 A.H/1650 A.D"(27)

مرقع کلیمی:

مرقع کلیمی کو صوفیانہ متاخرین نے وہی مقام دیا ہے جو کہ صوفیائے متقدمین نے فوائد الفوائد، کشف المحجوب، عوارف المعارف وغیرھا کو دیا ہے۔ اس کتاب میں سلوک کے وہ مقامات اور ذکر و مراقبہ کی وہ کیفیات جن کا کشکول میں ذکر ہے ان کیفیات سے ایک درجہ پہلے جو سالک کی تیاری مطلوب ہے اسکا ذکر ہے۔ مشائخ متاخرین جب بھی کسی کو خرقہ عطا کرتے خرقہ کے ساتھ مرقع کلیمی بھی دیتے اور اسکا روزانہ مطالعہ اپنے معمولات میں رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں آغاز صلوۃ سے ہوتا ہے شروع میں اوقات نماز پر بحث کرکے پھر نوافل نماز میں درج ذیل نمازوں کا ذکر کرتے ہیں:

"نماز طول العمر، نماز اویس قرنی، نماز لیلۃ الرغائب، نماز رضاء الابوین، نماز سعادت، نماز راحت البرزخ، نماز شفائے مریضاں وغیرہ ھم"

پھر انکار میں تلاوت قرآن مجید کا ہفت روزہ نصاب مقرر کرتے ہیں۔ جنکو منزل یک شنبہ ،دوشنبہ ،سہ شنبہ ، چہار شنبہ ، پنج شنبہ ،جمعہ ،ذکر برائے زیارت آنحضرت ﷺ وغیر ھم کا ذکر کرتے ہیں۔

اسی طرح انکار اجابت دعوت۔ تالیف قلوب کے ساتھ ساتھ ادعیہ ماثورہ پر بھی ایک باب باندھتے ہیں گویا کہ یہ وہ مرقع سلوک ہے کہ سالک جس میں سے نکل کر اصل مشاہدہ ومکاشفات ودیگر اصطلاحات تصوف کی راہ داری کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

مکتوبات کلیمی:

مکتوبات کلیمی دراصل شاہ صاحب کا گراں قدر علمی سرمایہ ہے۔ ان سے شاہ صاحب کے تبحر علمی، افکار، اور ان کے ویژن (vision) کے بارے میں پتا چلتا ہے۔ ان کی بصیرت اور انتظامی امور میں مرکزیت کے متعلق آگاہی ملتی ہے۔ یہ مکتوبات دراصل ان کے تبلیغی مشن اور اصلاحی نظام کی سرگرمیوں کا مکمل خاکہ پیش کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کے ان مکتوبات کی کل تعداد ۱۳۲ ہے۔ جن میں سے ۱۰۰ سے زائد مکتوبات شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کی طرف ارسال کیے ان کے علاوہ مولانا نور اللہ، مولانا محمد دیارام اور عبدالرشید وغیرہ کی طرف مکتوبات ارسال فرمائے۔ ان مکتوبات سے شاہ صاحب کے اوصاف کا بھی پتہ چلتا ہے۔ شاہ صاحب اپنے ہی مرید کو ان کے مقام و مرتبہ کا مانتے ہوئے اور انکی روحانی جگہ کو تسلیم کرتے ہوئے۔ خط کا آغاز اس طرح سے کرتے ہیں کہ:

"مکتوب الی شیخ الاسلام والمسلمین، نظام الملۃ والشرع، والحق، والدین ادام اللہ فیضانہ علی العلمین۔ ازاحقر درویش کلیم اللہ "(۲۸)

یعنی دوسرے کی حیثیت اور مقام و مرتبہ کو تسلیم کرنا اور خود کو احقر اور درویش جیسے القابات دے کر اپنی ذات کی نفی کرنا، محض اندازے تکلم و تخاطب سے ہی آپ کی بصیرت کا پتہ چل جاتا ہے۔ پھر انداز تربیت بھی نہایت سادہ عام فہم اور عزت آمیز ہے۔ جس مسئلہ پر شدت اختیار کرنا مقصود ہو وہاں شدت اختیار کرتے ہیں اور جہاں بر سبیل تنزل و تذکرہ بات کرنی ہو وہاں

وہی انداز اپناتے ہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب ان مکتوبات میں درج ذیل آیت کی عملی ترجمانی فرماتے ہیں کہ:

"یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا"(29)

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صاف صاف سیدھی بات کرو۔"

ان مکتوبات میں جہاں ضرورت پڑی شاہ صاحب نے (استشہادی منہج) اختیار کیا ہے۔ اور جابجا احادیث نبوی ﷺ آیات قرآنی اور اقوال صوفیاء و اتقیاء سے استشہاد کر کے گزر جاتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان مکتوبات کا اردو ترجمہ کر کے ان کی تخریج کی جائے اور مختلف مباحث کو سامنے لایا جائے۔ تاکہ تمام قاری بھی ان سے مستفید ہو سکیں۔

شاہ صاحب کا اخلاق:

شاہ صاحب کا اخلاق حسنہ درج ذیل حدیث کا مصداق تھا۔

"یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا"(۳۰)

انہوں نے دشمنوں کے لئے بھی آسانیاں پیدا کیں اور اگر برا بھلا کہ دیا تو اس کو بھی معافی کی بشارت دی یہاں تک کہ دکن کے کچھ لوگوں نے ان کو گالیاں دیں جب آپؒ تک معاملہ پہنچا تو آپ نے یوں فرمایا:

"ہر کہ مارا بدیا می کند مستحق زیادہ"(۳۱)

کوئی شخص اگر ہمیں برائی سے یاد کرتا ہے تو ہم اس سے زیادہ برائی کے مستحق ہیں آپؒ نہایت حلیم الطبع خوش مزاج اور معاف کر دینے والے انسان تھے۔

مسئلہ سماع:

اٹھارھویں صدی نے ایک اہم مسئلہ جو ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا وہ مسئلہ سماع تھا۔ اور اٹھارویں صدی کے سجادہ نشینوں کا وطیرہ یہ تھا کہ وہ اصولوں کو پاش پاش کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے لہذا ہندومت میں موسیقی رائج ہونے کی وجہ سے سماع کی طرف لوگوں کی رغبت زیادہ تھی آپ جگہ جگہ سماع کو کم کرنے کی تقلیلن فرماتے اور سماع کو اختیار کرنے کے لئے اس کی پابندیوں کو ذکر فرماتے چنانچہ مکتوب نمبر ۱۰۵ میں فرماتے ہیں:

"امروز قدر راگ مشائخ نمی شناسند و آداب را رعایات نمی کنند"(۳۲)

یعنی آجکل کے مشائخ سماع کی حیثیت کو نہیں سمجھتے اور اسکے قواعد کی پابندی نہیں کرتے۔

سماع کو کم کرنے کی تلقین یوں فرماتے ہیں کہ:

"حلقہ مراقبہ وسیع از حلقہ سماع باید کرد"(۳۴)

یعنی حلقہ مراقبہ کو حلقہ سماع سے وسیع کرو۔

اعلائے کلمۃ اللہ:

شاہ صاحب اپنے خطوط میں مریدین کو ہدایات دیتے ہوئے بار بار جس بات کی رغبت دلاتے ہیں وہ اعلائے کلمۃ الحق ہے۔ اوراس ضمن میں جو اصول اپناتے ہیں وہ قرآن مجید سے لیتے ہیں کہ:

" اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ "(34)

"اللہ کے راستے کی طرف بلاؤ دانائی اور مواعظ حسنہ کے ساتھ۔"

شاہ صاحب ہمہ وقت اعلائے کلمۃ اللہ کی تلقین کرتے ہیں چنانچہ خواجہ نظام کو ایک خط میں یوں بھی لکھتے ہیں کہ جہاں کہیں بھی ہو صرف اپنے آپ کو اعلائے کلمۃ الحق کے لئے وقف کر دو۔

"اکنوں ایں امر است کہ باشید در اعلائے کلمۃ الحق بشاید و جان ومالی خود صرف ایں کار کنند"(۳۵)

اب یہ حکم ہے کہ جہاں کہیں بھی رہو اعلائے کلمۃ الحق میں مصروف رہو اور اپنے جان و مال کو بھی اسی میں مصروف کر دو۔

اعلائے کلمۃ اللہ کی طرف ڈھارس بندھاتے ہوئے نیک بختی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"شاید روئے نیک بختی پیدا کند دیگر مرقوم بود آزاد ھاہم دارم ظاہر و باطن اللہ یشفیکم جمیعکم"(۳۶)

توبہ کی طرف رغبت دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"واللہ غنی من العالمین ولکن یقبل التوبۃ عن عبادہ"(۳۷)

"اور اللہ تعالیٰ عالمین سے غنی مگر اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں۔"

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں کہ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے مقام و مکین کا کوئی تصور نہیں بلکہ شرق و غرب میں یہ کام ہماری ہی ذمہ داری ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"بہر حال دراعلائے کلمۃ الحق کوشید و از مشرق تا مغرب ہمہ حقیقی برکنید"(۳۸)

شاہ کلیمی اصول خلافت:

شاہ کلیم اللہ دہلوی نے سلسلہ اشاعت کیلئے خلافت کے اصول بیان کئے جاتے ہیں جن پر سختی سے کاربند رہنے کی تلقین فرمائی گئی۔

اصول نمبر۱:

"آنکہ مقصود خلافت محض اعلائے کلمۃ الحق است"(۳۹)

یعنی خلافت کا مقصد صرف اور صرف کلمۃ حق کی بلندی ہے اسکے علاوہ کوئی بھی مقصد فساد ظاہر و باطن ہے۔

اصول نمبر۲:

"ھر شخصے راکہ خلافت بدھید بفرمائید کہ عریضہ بسوئے فقیر مشتمل بر تفصیل حال ابتداء وانتہا بنویسند"(۴۰)

"یعنی وہ شخص جسکو آپ خلافت دیں اسکے مکمل احوال مرکز کو لکھ کر بھیجیں تاکہ اسکی صلاحیت واہلیت کا اندازہ لگایا جاسکے۔"

اصول نمبر۳:

اس اصول میں وہ صراحت کیساتھ بیان کرتے ہیں کہ خلافت اسی کو دی جائے جو عالم ہو اور درویش ہو کیونکہ عالم کی صحبت ضلالت سے باز رکھے گی اور اگر عالم درویش بھی ہو تو اسکی صحبت اعراض دنیا کیطرف لائے گی۔

"در صحبت عالم ضلالت رواج نخواھد گرافت ودر درویش سخاوت عجیب جو ھر است"(۴۱)

اصول نمبر۴:

اس اصول کے تحت وہ خلافت کو دو قسموں میں مرتب کرتے ہیں ایک خلافتِ عامہ اور دوسری خلافتِ خاصہ یا خلافت ربانی و خلافت سلوک۔

اصول نمبر۵:

"اظھار الغناءعن الناس و الافتقار الی اللہ"(۴۲)

یعنی لوگوں سے اعراض (دنیاوی عرض کو غائت نہ رکھتے ہوئے) اور اللہ تعالی کی طرف فقر و احتیاج کو بڑھانا آپ فرماتے ہیں کہ جو بھی خلیفہ مجاز ہوا اسکو چاہئے کہ وہ اپنے فقر کو محض اللہ کیطرف بڑھائے۔

اس اصول کو حضرت سھل بن عبد اللہ تستری نے تفسیر تستری میں یوں بیان کیا کہ:

"العلم یستزید به الافتار الی اللہ" (۴۳)

"یعنی علم وہ ہے کہ جس سے اللہ کی طرف فقر و احتیاج میں اضافہ ہو۔"

اصول نمبر ۶:

خلافت کے اس اصول میں شاہ صاحب نے عورتوں کے اصلاح باطن کا بھی انتظام کیا کہ خواتین اصلاحِ باطن سے محروم نہ رہیں مگر اس پر کڑی شرائط عائد کیں۔ جب خواتین کو سلسلہ میں داخل کرنے کا پوچھا گیا تو آپؒ نے فرمایا کہ بیعت کیا جا سکتا ہے مگر ان کی خلوت سے بچو اور براہ راست ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نبی ﷺ کی سنت کو اپنایا جائے اور پانی یا کپڑے کے ذریعے بیعت کیا جائے۔

امراء کی اصلاح کی ترغیب:

شاہ صاحب جہاں دیدہ شخصیت تھے وہ زمانے کے چلن کو جانتے تھے کہ امراء ایسے لوگ ہیں کہ زمانے میں معاشرت کے اعتبار سے غرباء ان سے متاثر ہوتے ہیں اور ہر غریب کا ذہن تو نہیں بدلا جا سکتا ہے کہ امراء کا کیا گیا ہر کام صحیح نہیں لیکن اگر طبقہ امراء کی اصلاح کیطرف توجہ دی جائے تو بہت سے لوگ صرف انکو دیکھ کر اس ریت کو اپنالیں گے۔

چنانچہ آپؒ نے شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کو خط میں لکھا کہ:

"مقصود از دخول اهل دمل نہ آن است کہ ایشاں طے مراتب درویشی کنند مقصود آں است کہ بہ سب دخول ایں مردم اکثر مردم دیگر داخل می شوند" (۴۴)

تجاویز و سفارشات۔

ابر صغیر کے مکتوباتی ادب کو ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر جامعات میں باقاعدہ لازمی مضمون کے طور پر شامل کرنا چاہیے

۲ برصغیر کے مکتوباتی ادب کی باقاعدہ اداریاتی طور پر ترجمہ، تشریح اور تعلیق کی ضرورت ہے محکمہ اوقاف کو مجموعہ ہائے مکتوبات حضرات شیوخ کرام پر تخریج و تعلیق کے کام کی سرپرستی کرنی چاہیے اور تحقیق کار حضرات کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

۳برصغیر کے مکتوباتی ادب کا انگریزی عربی میں ترجمہ ہونا چاہیے جیسے کہ کشف المحجوب کا ایک مستشرق پروفیسر نکلسن نے ترجمہ کیا اس کی اس کاوش سے مغربی ممالک میں موجود جامعات میں صوفی ادب کے بارے میں بڑی دلچسپی پیدا ہو چکی ہے اس پیش رفت کو مد نظر رکھتے ہوئے صوفیاء کرام کے مکتوبات پر تحقیق کرنا ہمارا بھی فرض منصبی ہونا چاہیے۔

۴ محکمہ اوقاف کو حضرات شیوخ کے مزارات سے ملحقہ تعلیمی اداروں میں درس مکتوبات کا اہتمام کرنا چاہیے تا کہ عامۃ الناس تک صوفیاء کرام کا روحانی فیضان اور دین اسلام کی خدمات کا حقیقی تاثر پہنچ سکے۔

۵ درس نظامی میں صوفی ادب خصوصا مکتوباتی ادب کو ایک مضمون کے طور پر شامل کیا جانا چاہیے تا کہ ہمارے علماء کرام حب دنیا سے بے زار اور دین اسلام کی خدمت کیلیے بر سر پیکار اور امت مسلمہ کیلیے ایثار کا شاہکار ثابت ہوں۔

حاصل بحث:

اکبر کے دور میں شعائر اسلامی کا مذاق اڑایا گیا عقائد و نظریات سے لے کر عبادات و سماج تک شعائر اسلامی کو یکسر بدلنے کی کوشش کی گئی۔ مثلاً وحدۃ الوجود کے نظریہ توحید کو اس طرح سے خلط کیا گیا کہ ہندو ازم میں خدا کا نظریہ اور اسلام کا نظریہ توحید اکبر کے دین الٰہی میں عین بین نظر آتے ہیں چنانچہ اس تناظر میں معاشرے میں اسلام کو اپنی شناخت، علیحدہ تشخص اور پہچان تک کی ضرورت پیش آتی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کو پڑھنا پڑھانا گناہ کبیرہ سمجھا جاتا ہے اور عبادات میں سجدہ تعظیمی کو اپنایا جاتا ہے۔ انحطاط و تنزل اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ نگاہ کے لئے نہ تو کسی مذہب کی قید رہ جاتی ہے اور نہ ہی تعدد ازدواج کی حد۔ چنانچہ مسلمان خواتین بھی ہندوؤں کے ساتھ نکاح کر سکتی تھیں اور ایک ہی وقت میں مرد کے لئے تعدد ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔ فکری اور اجتہادی اطوار سے اس قدر منتشر معاشرے میں امام ربانی نے اپنے مریدین خلفاء امراء و سلاطین کی تربیت کرنے کا ایک انداز مکتوبات کی صورت میں اختیار کیا اسی طرح نصیر الدین چراغ دہلوی کے بعد سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے بنیادی اصولوں کو نظر انداز کیا گیا۔ صوفیاء خام نے سلسلہ چشتیہ کے نظریات

کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ شاہ نظام الدین دہلوی کے قائم کردہ اصول سماع کو بدل کر عجیب خرافات جاری کر دیئے گئے اسی طرح سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول امراء سلاطین سے علیحدہ رہتے ہوئے اپنی تربیتی خانقاہیں قائم کرنا اور ایک روحانی سلطنت قائم کرنا تھا جبکہ صوفیاء خام نے بادشاہ وقت کی دولت کا دم بھرا چنانچہ ضرورت اس امر کی تھی کہ سلسلہ عالیہ چشتیہ کو بنیادی اصولوں کے ساتھ احیاء بخشا جائے چنانچہ اس سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ کا بیڑا شاہ کلیم اللہ دہلوی نے اٹھایا۔ انہوں نے سلسلہ کو ایک مرکزیت بخشی اور دہلی میں وہ خانم بازار جہاں لوگ دنیاوی اعتبار سے مختلف خرافات کو اختیار کرنے آیا کرتے تھے وہیں شاہ کلیم اللہ دہلوی نے مرکزی خانقاہ قائم کی پھر اس کی ذیلی شاخوں میں سے ایک شاخ ان کے خلیفہ نظام الدین اورنگ آبادی کے زیر اہتمام قائم ہوئی جس کے خلوص اور خوف خدا نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کو عروج بخشا۔ شاہ کلیم اللہ دہلوی کی یہ ہدایات آپ کے مکتوبات عظیمہ کی صورت میں شاہ نظام الدین اورنگ آبادی و دیگر خلفاء کی طرف پہنچتی رہیں اس طرح سلسلہ کے تجدد و احیاء اور نشاۃ ثانیہ میں مکتوبات کلیمی کا بنیادی کردار ہے۔ ان حضرات کے مکتوبات احیائے دین کے لئے روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، اثبات النبوۃ، ناظم آباد کراچی، ادارہ مجددیہ، ۱۳۸۳ھ، ص:۶

۲۔ ابو داؤد سلیمان بن الاشعث ، السنن ،کتاب الملاحم ، بیروت، دارالتراث العربی، ۱۴۲۰ھ، رقم الحدیث ۴۲۱

۳۔ القصص:۳۸

۴۔ الشعراء:۲۹

۵۔ سرہندی شیخ احمد مکتوبات مجد الف ثانی ،مکتوب بنام خواجہ ابراہیم ، کراچی، ادار یہ مجددیہ ۱۴۲۶ھ، ص:۲۳

۶۔ الاسراء:۱۵

۷۔ سرہندی شیخ احمد، مکتوبات مجدد الف ثانی، مکتوب بنام میر محمد نعمان،، ص:۲۶

۸۔ ایضاً۔ مکتوب بنام خواجہ محمد عبداللہ

۹۔ الشوریٰ:۱۳

۱۰۔ سرہندی شیخ احمد، مکتوب مجدد الف ثانی، مکتوب بنام شیخ نظام الدین تھانیسری،، ص:۳۵

۱۱۔ ایضاً، مکتوب بنام شیخ محمد جتری

۱۲۔ ایضاً مکتوب بنام شیخ بدیع الدین
۱۳۔ الاعراف:۵۱
۱۴۔ سرہندی شیخ احمد، مکتوبات امام ربانی، مکتوب بنام خواجہ محمد عبداللہ، ص:۴۵
۱۵۔ الحجر:۹۹
۱۶۔ سرہندی شیخ احمد، مکتوبات امام ربانی، مکتوب بنام صالح اھل ارادت، ص:۵۶
۱۷۔ راحت القلوب، ملفوظات شیخ شرف الدین، آگرہ، مطبع مفید عام، ۱۳۵۰ھ، ص:۲۶
۱۸۔ دردائی معین، تاریخ سلسلہ فردوسیہ، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۴۰ھ، ص:۱۹۴
۱۹۔ سید صباح الدین عبدالرحمن، بزم صوفیہ، اعظم گڑھ، مطبع بہاری ۱۹۴۹ء، ص:۳۷۷
۲۰۔ سید ضمیر الدین احمد سیرت الشرق، اعظم گڑھ، مطبع بہاری، س-ن، ص:۳۴۹
۲۱۔ ایضاً، ص:۳۳۷
۲۲۔ امیر خورد، سیر الاولیاء، دہلی چرنجی لال ایڈیشن ۱۹۱۷ء ص:۷۵
۲۳۔ دہلوی شاہ کلیم اللہ مکتوبات کلیمی (مرتبہ مولوی محمد قاسم) دہلی مطبع یوسفی ۱۳۰۱ھ مکتوب نمبر ۲۱
۲۴۔ ایضاً، مکتوب نمبر ۲۲
۲۵۔ ایضاً، مکتوب نمبر ۳۴
۲۶۔ ایضاً، مکتوب نمبر ۱۲۵
۲۷۔carlw and brace dawrance, the chishti in south Asia,Newyork 2002,p109
۲۸۔ دہلوی شاہ کلیم اللہ مکتوبات کلیمی (مرتبہ مولوی محمد قاسم) دہلی مطبع یوسفی ۱۳۰۱ھ مکتوب نمبر ۴
۲۹۔ الاحزاب:۷۰
۳۰۔ البخاری محمد بن اسمٰعیل الجامع الصحیح للبخاری، کتب العلم، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۴۱۴ھ، رقم الحدیث:۶۹
۳۱۔ دہلوی شاہ کلیم اللہ مکتوبات کلیمی (مرتبہ مولوی محمد قاسم) دہلی، مطبع یوسفی ۱۳۰۱ھ مکتوبات ۳۶
۳۲۔ ایضاً مکتوب نمبر ۱۰۵
۳۳۔ ایضاً مکتوب نمبر ۹۹
۳۴۔ النحل:۱۲۵
۳۵۔ دہلوی شاہ کلیم اللہ مکتوبات کلیمی (مرتبہ مولوی محمد قاسم) دہلی، مطبع یوسفی ۱۳۰۱ھ مکتوبات ۲۱
۳۶۔ ایضاً مکتوب نمبر ۲۴

۳۷۔ ایضاً مکتوب نمبر ۳۵

۳۸۔ ایضاً مکتوب نمبر ۸۰

۳۹۔ ایضاً مکتوب نمبر ۳۹

۴۰۔ ایضاً مکتوب نمبر ۱۸

۴۱۔ ایضاً مکتوب نمبر ۳۶

۴۲۔ ایضاً مکتوب نمبر ۸۹

۴۳۔ تستری سھل بن عبداللہ، تفسیر تستری مرتبہ ابو بکر احمد البلدی بیروت، دار الکتب العلمیہ ۲۰۰۲ء، ص:۷۷

۴۴۔ دہلوی شاہ کلیم اللہ مکتوبات کلیمی (مرتبہ مولوی محمد قاسم) دہلی: مطبع یوسفی ۱۳۰۱ھ مکتوب نمبر ۶